ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔اے۔ڈی۔لٹ

حدیث کے ماحول میں

میری تعلیم عام انگریزی دانوں کی طرح ، انگریزوں کے قائم کردہ مدرسے میں ہوئی۔ اس لئے میں خاصی مدت تک دین کے معاملہ میں بیرنگ رہا ۔ دین کا مخالف میں کبھی نہیں ہوا مگر دین کا ذوق شروع میں پھیکا ہی تھا ۔ میں رسمی سا مسلمان تھا یعنی خدا کو مانتا تھا مگر اتنا کہ اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے ۔ بعد کی طرح نہیں کہ ہر آن اس کے حضور سے میرا قلب و دماغ سرشار سا رہا کیا۔

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانتا اور پہچانتا تھا مگر اسی حد تک کہ وہ ہمارے پیغمبر ہیں اور بڑے پیغمبر بھی ہیں اور اپنی گمراہی (غلط تعلیمی ماحول) کی وجہ سے اس کا بڑا ثبوت یہی سمجھتا تھا کہ کارلائل نے آپؐ کو بڑا پیغمبر کہا ہے ۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ انسانی تہذیب کا ہر ہر ورق آپؐ کی عظمت کا گوناگوں ناطق ہے اور عقلِ انسانی نے جس محسوس پیکر میں ڈھل کر کامل شرف و وقار حاصل کیا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے ——— مگر انگریزی تعلیم نے دیر تک مجھے اس ہستیٔ اقدس سے روشناس ہونے کا موقع نہ دیا اور ہر چند کہ میں مسجد کے ماحول سے اٹھا تھا مگر انگریزی تعلیم کے حجاب اتنے دبیز تھے کہ میری نظر نورِ مبارک کو دیر تک نہ پا سکی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے دین کی کتابیں بہت دیر سے پڑھیں۔ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ میرے والد خود ایک عالم دین تھے۔ حنفی فقہ پر ان کی خاص نظر تھی اور وہ اس مسلک پر بڑی شدت سے عامل تھے اور مجھے فرصت کے اوقات میں حنفی فقہ کے مسائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ پھر جب میں لاہور میں وارد ہوا تو میرے چچا نے جو میرے محسن تھے، مشفق مربی اور اتالیق بن کر مجھے علم دین کے قریب رکھا۔ چنانچہ میں انہی کی تحریک پر ایک سال گرمیوں کی تعطیل میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں شامل درس رہا۔

مجھے اعتراف ہے کہ نعمانیہ کا ماحول اس زہر کا تریاق ثابت نہ ہوا جو انگریزی مدرسوں نے میرے ذہن میں مستحکم کیا ہوا تھا۔ طبیعت جلد اچاٹ ہو گئی۔ پھر انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ میرے عم محترم نے مجھے ایک طرف مولانا احمد علی (مرحوم و مغفور) کے درس قرآن سے روشناس کیا ـــــ اور دوسری طرف مسجد چینیانوالی لاہور میں مشہور نابینا مؤذن مرحوم حافظ محمد حسین کے پاس بٹھایا، ان سے پہلے میں نے بلوغ المرام اور بعد میں مشکوٰۃ شریف کا درس لیا ـــــ بلوغ المرام کے چند سبق اس سے قبل مولانا عبدالجلیل ہزاروی سے بھی پڑھ چکا تھا۔

مسجد چینیاں کا ماحول عبادتوں کا ایک خاص رنگ رکھتا تھا۔ مرحوم مولانا سید عبدالواحد کی ذات ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ بڑے وجیہہ اور متقی بزرگ تھے۔ لہجہ افغانی، چہرہ نورانی، سیرت حجازی ـــــ بڑی خوبیوں کے مالک بزرگ تھے۔ ترتیل میں بڑا سوز و گداز، نمازوں میں بڑا ٹھہراؤ ـــــ صبح کی نمازوں میں بعض اوقات سجدے کی طوالت سے یہ گمان گزرتا، گویا سجدے سے سر اٹھانا بھول گئے ہیں۔ اتباع سنت کے خاص انداز یہاں مشاہدے میں آئے اور میں نے کچھ اثر بھی قبول کیا۔

اس کے باوجود میرا مزاج سیاسی اور عقلی تھا۔ وقت کے مسئلے کچھ اور تھے ہر طرف عقل کے چیلنج ایمان پر ضرب لگا رہے تھے۔ ادھر سیاستوں کی گرم بازاری، عبادتوں کے داخلی رنگ سے زیادہ جہاد کے خارجی تقاضوں کی دعوت دے رہی تھی۔ مسجد شیرانوالہ میں مولانا کا درس دین و سیاست کا

امتزاج تھا طبیعت ادھر مائل ہوئی اور میں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اسباق حضرت مولانا ہی سے پڑھے اور کچھ حجۃ اللہ البالغہ کے اسباق بھی پڑھے۔

یہاں مجھے صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ مسجد چینیاں کے ماحول میں حدیث کا چرچا بہت تھا، مگر اس زمانے میں حدیث میرے دل میں اتر نہیں پائی تھی۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ میں نے حنفیت اپنے والد سے ورثے میں پائی تھی۔ پھر میں ابتدا ہی میں شبلی نعمانی سے متاثر ہو چکا تھا اور ان کی کتاب "سیرت النعمان" میرے دل پر فقاہت امام ابو حنیفہؒ کا نقش بٹھا چکی تھی۔ اور پھر اس حلقہ میں تقلید اور عدم تقلید کی بحثیں اور بھی پُرپیچ ہو تی تھیں ـــــــ اس میں اکابر تو اعتدال پر ہی ہوتے تھے مگر عام احباب یہ تاثر دیتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک اجتہاد کے قابل ہے اور مسندِ اجتہاد پر بیٹھا ہے ـــــــ میں اپنی تربیت کے اعتبار سے اجتہاد کی ضرورت کا قائل تھا مگر یہ عمومی تاثر عجیب سا لگتا تھا کہ اجتہاد کے جملہ اوصاف کے اکتساب کے بغیر ہر آدمی مجتہد بن بیٹھے۔ لیکن چینیانوالی مسجد نے ایک دوسرے طریقے سے مجھ پر اپنا نقش بٹھایا اور وہ یوں کہ میں اب اپنے والد مرحوم کی غالی حنفیت کے دائرے سے نکل چکا تھا۔ اور رسولِ مقبولؐ کی حدیث پاک سے ذہنی قربت اب پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی تھی۔

اتفاقات ۱۹۳۲ء میں میں غم کی دنیا سے آشنا ہوا، میرے غم زدہ دل کو نسخہ شفا کی تلاش رہنے لگی۔ میں کوئی ایسا فلسفہ تلاش کرنا چاہتا تھا جو مجھ میں حوصلہ پیدا کرے، جو ناگواریوں میں بھی سرشار رہنے کے قابل بنا سکے، جو انسانی ستم کاریوں کے باوجود مجھ میں انسان کے خلاف انتقام کا جذبہ نہ پیدا ہونے دے ـــ میں زیادتی کرنے والوں کے خلاف اپنے غصے کو ہدایت کی دعاؤں میں تبدیل کر سکوں۔

سب کو معلوم ہے کہ میں اصولاً ادب کا طالب علم ہوں ـــــــ میں نے یہ نسخہ شفا پہلے ادب کی کتابوں میں ڈھونڈا ـــــــ میں ادب کی کتابوں میں... دیوانِ حافظ سے تسکین پانے لگا ـــــ چنانچہ اپنے کئی مضامین میں حافظ کے اس احسان کا شکریہ ادا کر بھی چکا ہوں کہ اس نے میرے گہرے زخموں کے لئے مرہم فراہم کیا ـــــ بہت سے دکھ آسودہ ہوئے، بہت سی جراحتیں مندمل ہو گئیں، بہت

سے داغ مٹے ، بہت سے خلا پُر ہوئے ، بہت سے آبلے ٹوٹے ، بہت سے کانٹے نکلے ، اور ہر چند کہ حافظ کے کلام میں مے خواری اور رندی کے استعاروں سے توحش ہوتا ہے مگر ذاتی تجربے کی دنیا میں مجھے تو یہی لگا کہ حافظ بُرا آدمی نہ تھا ؎

دوستاں عیب نظر بازی حافظ مکنید
کہ من اورا ز محبانِ خدا مے بینم!

یہ قصہ جذباتی ردِ عمل کا ہے ـــــــ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے سرمایۂ تسکین کے باوجود "حافظ" کے یہاں ، اہم حقائق زندگی کے بارے میں سہل انگاری اور بے فکراپن کی جو آمیزش نظر آتی تھی ، اس سے اپنے دینی ذوق کے طفیل (جو بہر حال ترقی کرتا جا رہا تھا) مجھے گرانی سی رہتی تھی۔

رُوحانی جستجو کے اس دور میں دکھ کے بادلوں کے سائے گہرے ہوتے گئے ـــــــ میں نے اپنے آپ کو عجیب عالم میں پایا ـــــ زمین اپنی فراخیوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہونے لگی ، بن پہاڑوں اور وادیوں میں "ایلی ایلی سبقتنی" کہتا پھرا ـــ مجھے ہر لحظہ اپنے ضائع ہونے کا ڈر لگنے لگا اور صورت کچھ ایسی لگی ؎

عجیب واقعہ وبس غریب حادثہ ایست
انا اصطبرت قتیلا و قاتلی شاکی (حافظ)

پھر ایک روز جب اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذرنے والا تھا تو میرا رب مجھے کھیتوں میں لے گیا ، جہاں مجھے فرحت سی محسوس ہوئی اور میرے دل میں یہ خیال گھومنے لگا ، "دنیا میں خدا نے انسانوں کے لئے ایک اسوۂ کامل بھی تو بھیجا ہے ـــــــ وہ عظیم ترین انسان تھا مگر پھر بھی انسان تھا ـــــــ سارے رُوحانی فیوض اور برکات کے باوجود انسان تھا ـــــــ میرے دل نے کہا ، اے وادیوں پہاڑوں اور کھیتوں میں پھرنے والے ! تجھے اس انسان کی پاک زندگی میں نسخۂ شفا کی تلاش کیوں نہیں ؟ آخر اس آقائے دو جہاں نے بھی تو صدمے اٹھائے ، امت کے لئے دکھ جھیلے ، تکلیفوں کا سامنا کیا ، اس قلب مصطفیٰ نے بھی تو درد و دخان کا مشاہدہ کیا ، ثبوت خود قرآن مجید میں ہے :

"الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک"

جس بوجھ نے کمر توڑ رکھی تھی، وہ بوجھ بھی تو کم نہ تھا، پھر خدا نے عسر کے بعد یسر مقدر کیا اور آپؐ کا ذکر بلند کیا۔ میں نے دل میں کہا، "اس کامل نمونے کی پیروی کر، اس کے پیچھے چل!"

جس قدر یہ خیال گہرا ہوتا گیا، اسی قدر میرا دل کھلتا گیا، میں نے اپنے لئے اشارہ پایا ——— چنانچہ میں نے سب سے پہلے سیرت پاک کا مطالعہ کیا اور بہت کچھ پایا۔ اس کے بعد حدیث پاک کی طرف متوجہ ہوا اور سکون و بصیرت کی وہ دولت حاصل کی کہ با ید و شاید۔

اقوالِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں تو ہر دو جہاں کی رہنمائی موجود ہے مگر میں نے جب اپنے غم کے حوالے سے دیکھا تو ہر ہر قدم پر اکسیر اور کیمیا میسر آئی ——— میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنے دل کی بیاض پر لکھ رکھا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

"عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ خیر ولیس ذالک لاحد الا للمومن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا و ان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا"

کہ مومن کی بھی عجیب شان ہے، جس کی زندگی کا ہر پہلو اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ شرف مومن کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں کہ اگر اسے مسرت حاصل ہو تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر تکلیف پہنچے تو بھی شکر ادا کرتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں اس کے لئے بہتر ہیں۔

تو پتہ چلا کہ اسوہ و فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سب کچھ ہے جو ایک انسان کو درکار ہے۔ غم میں، خوشی میں، خوشحالی میں، عسرت میں فتح میں، آزمائش میں دوستوں کی دشمنی میں، دشمنوں سے سلوک اور ان سے نباہ میں ——— غرض انسانی زندگی کا ہر لمحہ اقوالِ رسولِ پاک میں موجود ہے۔ قرآن مجید ان سب بصیرتوں کا چشمہ ہے اور اس کے احکام کا عملی نمونہ حدیثِ پاک میں ہے۔ حدیث قرآن مجید کے مطالعہ کی دعوت دیتی ہے ——— اور قرآن مجید، حدیث کے مطالعہ کی طرف بلاتا ہے

خیر ——— اس وقت میرا موضوع ہے، "حدیث کے ماحول میں مجھے کیا ملا؟"

——— میں کہہ رہا تھا کہ مسجد چینیاں کی نظری تعلیم کے بعد جب میں اپنے داخلی تجربوں

کی روشنی میں حدیث کی طرف بڑھا تو میں اپنے آپ کو بہتر طور پر سمجھنے لگا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی روشنی میں اسلام کی حقانیت اور انسان کی انسانیت کا یقینِ محکم حاصل ہؤا۔

میرے ذاتی دکھوں میں جو رہنمائی ملی ؛ وہ تو اس درماندہ کے لئے آقائے دوجہاں کی سوغات ہے۔ مگر عقل و تمدن کے اس پیچ دار زمانہ میں حدیث پاک میں ہر دکھ کا درد اور ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مغربی ذہن عقلِ مطلق کا دعوے دار بن کر، فکرِ انسانی کی بے لاگ تگ و دو کا معتقد ہے چنانچہ اب افراط اور تفریط کا شکار ہے۔ روح کی تلملاہٹ سے نکلا تو محض عقل کا غلام بن گیا۔ اس سے مطمئن نہ ہؤا تو حواس کو سب کچھ سمجھ بیٹھا۔ پہلے ہر بات میں تعطل کا مدعی تھا، پھر ہر بات میں عمل و تجربہ کی حقیقت کی اساس ماننے لگا۔ مادیت کی طرف جھکا تو تن پرستی اور سرمایہ داری پیدا کر دکھائی اس سے بیزار ہؤا تو سرمائے کی کامل نفی پر اتر آیا ——— غرض جس شاخ پر بیٹھتا ہے، اسے کاٹ کر اٹھتا ہے۔

یہ سب کچھ دراصل اس لئے ہے کہ وہ اپنی ہی رائے کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس لئے انتہا پسندی، یک طرفہ پن اور افراط و تفریط کا ظہور ہوتا ہے، اور یہ ظہور سارے عالم کو برباد کر رہا ہے اور سب کچھ میسر ہونے کے باوجود سخت بیزاری اور بے اطمینانی پھیلا رہا ہے۔

ادھر ارشادِ پاک کی رہنمائی یہ ہے:

ان الھدی الصالح والسمت	کہ صالح سیرت، عمدہ طریقہ،
الصالح والاقتصاد جزء من	اور میانہ روی نبوت کے چوبیس
من اربعة وعشرین جزءا من	اجزاء میں سے ایک خاص جزو
النبوة [1] ———	ہے ———

کہنے کو تو یہ تین باتیں ہیں۔ مگر ان کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے

---

[1] ابو داؤد

کل اسباق موجود ہیں ۔ صالح اطوار ، صالح جہت (غایت) اور اس کے لیے اقتصاد (میانہ روی) گویا انسانی امور کا سارا دستور العمل ان تین اجزائے کلام میں جمع کر کے رکھ دیا ہے ۔ اب اس اصول کو انفرادی اور اجتماعی جملہ امور میں سامنے رکھ کر چلیے تو ان شاء اللہ کبھی ٹھوکر نہ لگے گی ۔

ایک دن مجھے یہ خیال آیا کہ بخاری کی روایتوں کا فلسفیانہ تجزیہ ہو جائے چنانچہ میں اپنی عقلِ ناقص اور دماغ فتنہ تراش کو لے کر بیٹھ گیا اور احادیث کے متن کو پڑھتا گیا ، پڑھتا گیا تو پتہ یہ چلا کہ اقوال وسنت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی امر حکمتِ بلیغ سے خالی نہیں بادی النظر میں اگر کچھ دغدغہ ہے بھی تو وہ یوں ہے کہ ہماری عقلِ ناقص کا قصور ہے کہ ہم سمجھ نہیں سکتے ، ورنہ عقلِ ایمانی کے مطابق وہ امر مستقبل میں صحیح ثابت ہونے والا ہے ۔ اس تجزیہ نے میری آنکھیں کھول ڈالیں ۔

بہر حال خدا کا کرم ہے کہ اس نے مجھے دکھوں کے توسط سے مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کی توفیق عطا فرمائی میں نے اپنے درد و غم میں قرآنِ مجید کی دعاؤں سے شفا پائی اور یہ ان دعاؤں کی تاثیر تھی کہ مجھے انسانِ کامل (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرتِ پاک اور ارشادات کے سائے میں تیقن کی قوت اور صبر و استقامت کی ٹھنڈک نصیب ہوئی اور اب اسی پر ایمان ہے اور دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال والاکرام اسی پر مجھے قائم و دائم رکھے ۔ آمین !

مستقل خریدار حضرات متوجہ ہوں

شمارہ ہذا سے بحمداللہ "ترجمان الحدیث" کی پانچویں جلد کا آغاز ہو رہا ہے جن احباب کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے یا واجب الادا ہے ، از راہ کرم بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں ۔ ورنہ ۲۰ ر نومبر تک ایسے احباب کی خدمت میں مطلوبہ رقم کا وی ۔ پی روانہ کر دیا جائیگا جس کو وصول کرنا انکا اخلاقی و دینی فریضہ ہوگا ۔ مینجر